



E-Content

Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India

Subject / Course - B.A 3rd Year Islamic Studies

Paper : IV / Muslim Firqe, Ilm e Kalam aur Falsafa (Block 2)

Module Name/Title : Chand Mashoor Falsafa e Islam (Unit 11)



DEVELOPMENT TEAM

CONTENT	DDE
PRESENTATION	Dr Sanaullah Nadvi, Dr Fahim Akhtar
PRODUCER	Mr. Md Mujahid Ali



Instructional Media Centre
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad - 32
T.S. India



اکائی-11 چند مشہور فلاسفہ اسلام

اکائی کے اجزاء	
11.1	مقصد
11.2	تمہید
11.3	یعقوب الکندی
11.4	ابونصر فارابی
11.5	ابوبکر محمد بن زکریا رازی
11.6	ابن سینا
11.7	ابن رشد
11.8	شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی
11.9	ابن خلدون
8.11	
11.10	ملا محمود جون پوری
11.11	ملا صدرا
11.12	ملا ہادی سبزواری
11.13	نمونے کے امتحانی سوالات
11.14	مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

11.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ اسلامیات کے طلبہ اسلامی فلسفے کی تاریخ و ارتقاء کے ساتھ ساتھ مشہور مسلم فلسفیوں کی حیات اور کارناموں سے بھی واقف ہو جائیں۔ اس اکائی میں کوشش کی گئی ہے کہ مشہور فلسفیوں کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار اور علاقوں کے فلسفیوں کی بھی نمائندگی رہے۔ توقع کی جانی چاہیے کہ طلبہ اس اکائی کے مطالعے کے بعد فلسفہ اسلامی کے اساطین اور ان کی خدمات سے مباحثہ واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

اسلامی فلسفے کی تاریخ مسلمانوں میں یونانی علوم و فنون کے ترجمے سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے مسلم سماج میں فلسفیانہ مسائل زیر بحث نہیں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ فلسفہ کے طالب علموں کو مختلف علاقوں اور خطوں سے وابستہ فلسفہ اور اس کے مسائل تو ملتے ہیں لیکن اسلام میں دوسری صدی ہجری کے وسط سے پہلے تک نہ فلسفہ ملتا ہے، نہ فلسفیانہ مسائل اور نہ ہی کوئی فلسفی۔ اسلام سے پہلے بھی عرب سماج میں فلسفے سے دل چسپی اور لگاؤ کے آثار نہیں ملتے۔ 7 ان کے عیسائی باشندوں نے یونانی فلسفیوں خاص طور پر ارسطو کی بعض کتابوں کے یونانی زبان سے سریانی زبان میں ترجمے تو ضرور کیے تھے لیکن یہ محض ترجمے ہی تھے۔ یہاں تک کہ ان سے نفس مضمون بھی پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا تھا۔ ابتداءً یہی ترجمے عربی زبان میں منتقل ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ترجمے کے ذریعہ عربی زبان میں منتقل ہونے والے علوم و فنون کی نہ صرف ترجمے کی حد تک حفاظت کی بلکہ ان کی تفہیم و تسہیل کا کام بھی کیا۔ فلسفے کے حوالے سے عربی زبان میں ترجمہ ہونے والی کتابوں کے ساتھ بھی مسلمانوں نے یہی رویہ اپنایا بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے اس موضوع پر ناقدانہ نظر بھی ڈالی۔ چنانچہ عہد عباسی میں نظام شاید پہلا مسلمان مفکر ہے جس نے ارسطو کے فلسفے کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ بہر حال فلسفہ ایک عرصے تک مسلمانوں کے لیے اجنبی رہا۔ لیکن جب انہوں نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا تو نہ صرف اس روایت کو زندہ کیا اور آگے بڑھایا بلکہ ان کے اندر ایسے بلند پایہ فلسفی پیدا ہوئے کہ دنیا آج بھی ان کو احترام اور عزت کے ساتھ یاد کرتی ہے۔ آئندہ صفحات میں چند مشہور مسلم فلسفیوں کی حیات و خدمات کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

یعقوب الکندی

11.3

یعقوب الکندی کا تعلق عرب کے ایک شاہی خاندان سے تھا۔ اس کے والد ابوسحاق بن الصباح خلیفہ مہدی اور ہارون رشید کے زمانے میں کوفہ کے امیر تھے۔ اور اسی شہر میں کندی پیدا ہوا۔ البتہ اس کا سنہ پیدائش نہیں معلوم۔ اسی طرح اس کا سال وفات بھی یقینی طور پر نہیں معلوم۔ کچھ لوگوں نے 258ھ اور کچھ نے 260ھ لکھا ہے۔ تاہم یہ بات یقینی ہے کہ وہ خلیفہ مامون کے زمانے میں موجود تھا اور خلیفہ متوکل (ف 247ھ) کی وفات کے وقت زندہ تھا۔

یعقوب الکندی کی زندگی کے ابتدائی ایام بصرہ میں گزرے اور وہیں پر ابتدائی تعلیم بھی پائی۔ البتہ اس کی شخصیت کے اصل جوہر بعد میں بغداد جا کر کھلے جہاں اس نے طب، فلسفہ، حساب، ہندسہ، منطق اور علم نجوم میں مہارت حاصل کی۔ البتہ اس نے یہ علوم کن اساتذہ سے حاصل کئے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ کندی عربی زبان کے علاوہ یونانی اور سریانی زبانیں بھی جانتا تھا۔ علوم و فنون میں مہارت کی وجہ سے ہی اسے مشہور علم دوست عباسی خلیفہ مامون کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اور اس کا شمار اس دور کے ماہر مترجمین میں ہوتا تھا۔ دربار خلافت میں اس کا یہ اعزاز خلیفہ معتصم کے زمانے میں بھی برقرار رہا۔ علوم و فنون میں مہارت کی وجہ سے ہی بہت سارے لوگ اس کے دشمن ہو گئے جس کی وجہ سے وہ دربار شاہی سے معتبوب ہوا اور اسی حالت میں وفات بھی پائی۔

یعقوب الکندی نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے کام کو اپنا مشغلہ بنایا اور تمام عمر اسی میں گزار دی۔ اس کے شاگردوں میں

سلمو یہ ایک عیسائی طبیب جسے خلیفہ معتصم کے دربار میں بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا اور فرامین لکھنے کے کام پر مامور تھا۔ اور احمد بن الطیب سرخسی (جو عقلی علوم کے علاوہ نحو، شعر اور علم حدیث میں بھی مہارت رکھتا ہے اور خلیفہ معتصم کا ہمراز تھا) کو زیادہ شہرت ملی۔

یعقوب الکندی کا شمار عباسی دور کے بہترین مترجمین میں ہوتا ہے۔ اس نے یونانی و سریانی زبانوں سے فلسفہ کی بہت ساری کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی کنندی نے فلسفے کی مشکل کتابوں کی وضاحت کی، ان کی تلخیص لکھی اور انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اسی طرح الکندی یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فلسفے کا بہت بڑا ماہر تھا۔ لیکن کہیں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس نے کن کتابوں کے ترجمے کیے اور کن زبانوں سے کیے۔ البتہ اس کی لکھی ہوئی کتابوں (تصنیفات) کی ایک طویل فہرست ہے۔ جو چار پانچ صفحات تک پہنچتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الکندی نے فلسفہ، منطق، ہندسہ، حساب، موسیقی، نجوم، طب، جدول اور سیاست وغیرہ موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔

یعقوب الکندی پہلا عرب اور مسلمان ہے جس کو خالص فلسفی باور کیا جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ پہلا شخص ہے جو مسلمانوں میں فلسفی کے لقب سے مشہور ہوا، یا جسے فیلسوف العرب کے نام سے یاد کیا گیا۔ عام طور پر یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ کنندی فلسفے میں ارسطو کا پورے طور پر مقلد تھا۔ لیکن بہت سے محققین کنندی کو فلسفے کے میدان میں مجتہد اور موجد بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ زرافلسفی ہی نہیں تھا بلکہ اس میں ایک طرح کی متکلمانہ شان بھی پائی جاتی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس نے علم کلام کے مسائل اور مباحث پر بھی متعدد رسالے لکھے ہیں۔ مثال کے طور پر اس نے ایک رسالہ منانیہ اور ایک رسالہ مثنویہ کے رد میں لکھا ہے۔ ایک رسالہ میں الکندی نے طحلوں کی تردید کی ہے۔ ایک رسالہ نبوت کے بارے میں لکھا ہے۔ اسی طرح ایک رسالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ اجرام فلکی خدا کا سجدہ کیوں کر کرتے ہیں۔ اور ایک رسالے میں بعض متکلمین کے خیالات کی تردید کی ہے۔ اس طرح وہ اپنے زمانے کے معتزلی متکلمین سے بھی ایک گونہ نسبت رکھتا تھا۔ لیکن چونکہ زمانے کی دست برد سے الکندی کی کوئی تصنیف محفوظ نہیں رہ سکی۔ اس لیے فلسفے کے مسائل پر اس کے خیالات اور آراء کو زیر گفتگو نہیں لایا جاسکتا۔ بہر حال اتنی بات طے ہے کہ الکندی ایک ایسا معلم اور مصنف تھا جس نے مسلمانوں کے اندر عقلی علوم کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ اس نے فلسفے کی امہات کتب کے ترجمے ہی نہیں کیے بلکہ ان پر شرحیں اور حواشی بھی لکھے۔ اور اس طرح اپنی کتابوں کے ذریعہ یونانی فلسفیوں فیثاغوث اور ارسطو کے نظریات کو پھیلایا۔

11.4 ابونصر فارابی

اسلامی فلسفے میں یعقوب الکندی کو گواہیت کا مقام حاصل ہے اور اسے پہلا مسلم فلسفی کہا جاتا ہے، لیکن اس کے فلسفے میں جو کمیاں رہ گئی تھیں فارابی نے انہیں پورا کر دیا۔ یہی وجہ ہے جو کہا جاتا ہے کہ دنیا میں صرف چار حکیم (فلسفی) پیدا ہوئے۔ دو اسلام سے پہلے یعنی ارسطو اور اسکندر اور دو اسلام میں یعنی ابونصر فارابی اور بوعلی سینا۔ فارابی کا پورا نام ابونصر محمد بن محمد بن اوزلیغ بن طرخان ہے۔ اس کا تعلق ایرانی نسل سے تھا، لیکن یہ خود 259ھ میں ترکستان کے ایک شہر فاراب میں پیدا ہوا (جس کی نسبت سے فارابی کہلاتا ہے) جہاں اس کے آباء و اجداد جا کر آباد ہو گئے تھے۔ فارابی کا آبائی پیشہ سپہ گری (فوجی ملازمت) تھا لیکن اس نے اس خاندانی پیشے کو چھوڑ کر علوم و فنون کی طرف توجہ کی۔ شروع میں اس نے متعدد زبانیں سیکھیں۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ ستر زبانوں کا ماہر تھا۔ زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد فارابی

عقلی علوم کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس کی تحریک اس طرح پیدا ہوئی کہ ایک شخص نے اس کے پاس ارسطو کی بہت سی کتابیں امانت کے طور پر رکھیں۔ فارابی نے ان کو دیکھا تو وہ اس کو بہت پسند آئیں اور اس نے ان کا مطالعہ شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کے مطالب کو اچھی طرح سمجھ لیا اور پورا فلسفی بن گیا۔ البتہ اس نے صرف ارسطو کی کتابوں کے مطالعے کو ہی کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ عقلی علوم کی تحصیل کے لیے اس نے اپنے زمانے کے بہترین اساتذہ سے تعلق قائم کیا جن میں یونانی فلسفے کے دو بڑے ماہرین متی بن یونان اور یوحنا بن میلان کے نام سب سے نمایاں ہیں۔ فلسفے کے علاوہ فارابی طب اور موسیقی کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسی طرح اپنے ابتدائی ایام میں وہ قاضی بھی رہ چکا تھا اس لیے فقہ کی تعلیم بھی اس نے ضرور پائی ہوگی کیوں کہ اس کے بغیر کوئی شخص قاضی مقرر نہیں ہو سکتا۔ فارابی نے عقلی علوم کی تکمیل بغداد میں کی۔ اس کے بعد اس نے شام کا سفر کیا اور پھر مصر بھی گیا تاکہ وہاں کے علوم و فنون سے بھی واقفیت حاصل کر سکے۔

فارابی کا تعلق سیف الدولہ کے دربار سے بھی رہا، لیکن دربار سے تعلق کے باوجود اس نے اپنی حکیمانہ شان برقرار رکھی اور اس تعلق کو مادی فوائد کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ سیف الدولہ کے دربار سے اس نے صرف 4 درہم روزانہ کا وظیفہ قبول کیا۔ وہ صرف علمی حیثیت میں ہی حکیم نہ تھا بلکہ عملاً بھی حکیم تھا۔ اور اس نے قدیم حکماء کی طرح زاہدانہ زندگی بسر کی۔ اور اسی زاہدانہ شان کے ساتھ 339ھ میں دمشق میں (80) اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

فارابی بلند اخلاق و کردار کا مالک اور مذہب کا پابند تھا۔ اور علوم حکمیہ (عقلی علوم) کی تحصیل کے لئے اس نے درج ذیل شرطیں رکھیں ہی:

’جو شخص علم حکمت کو شروع کرنا چاہتا ہے اس کو جوان، صحیح المزاج اور نیک لوگوں کے اخلاق کا پابند ہونا چاہیے۔ اور سب سے پہلے اس کو قرآن، لغت اور شرعی علوم کی تحصیل کرنی چاہیے۔ اس کو پاکباز اور سچا ہونا چاہیے۔ بدکاری، فریب، خیانت اور مکر و حیلہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس کو معاش کی طرف سے مطمئن ہونا چاہیے۔ اور ہمیشہ شرعی اعمال کو ادا کرنا چاہیے اور شریعت کے ارکان و آداب میں سے کسی کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ علم اور علماء کی عزت کرنا چاہیے اور علم اور اہل علم کے سوا اس کو کسی دوسری چیز کی قدر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہ بنائے اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرتا ہے وہ جھوٹا حکیم ہے، اس کا شمار حکماء میں نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کا علم دنیا میں اس کے اخلاق کی اصلاح و تہذیب نہیں کرتا وہ آخرت میں سعادت نہیں حاصل کر سکتا۔ سعادت کی تکمیل مکارم اخلاق سے ہوتی ہے جس طرح درخت کی تکمیل پھل سے ہوتی ہے۔‘

(مولانا عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام حصہ اول، مطبع معارف، اعظم گڑھ، 1953ء، ص 117-18)

کندی کی طرح فارابی نے بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو اپنا مشغلہ بنایا اور عمر کے آخری حصے تک ان ہی کاموں میں مصروف رہا۔ اس کی زندگی کا بہت بڑا حصہ دمشق میں گزرا۔ جہاں اکثر وہ ان مقامات میں رہتا جہاں آب و ہوا اور باغات ہوتے۔ وہیں پر وہ تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتا اور اپنے شاگردوں کو درس بھی دیتا۔ البتہ تاریخ میں اس کے صرف دو ممتاز شاگردوں ابراہیم بن عدی اور یحییٰ بن عدی کے نام محفوظ ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا فارابی ہمیشہ تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہتا تھا، اس لیے اس نے کثرت سے کتابیں لکھی ہیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے حکمائے اسلام میں فارابی کی 113 تصنیفات کے نام نقل کیے ہیں۔ فارابی کی تصنیفات کی خصوصیت یہ ہے کہ

اس نے ان میں دقیق سے دقیق مسائل کو بہت ہی واضح اور آسان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فارابی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فلسفے کی سب سے اہم شاخ منطق کی تہذیب و اصلاح کی اور اس فن کی تمام پیچیدگیوں کو دور کر کے اسے سہل الحصول بنا دیا۔ فارابی کا فلسفہ اسلامی عقائد سے قریب تر ہے اور مختلف مسائل پر اس نے جو فلسفیانہ رائیں اختیار کی ہیں وہ مذہب اسلام سے بہت زیادہ موافقت رکھتی ہیں۔ چنانچہ اس نے فلسفیانہ مسائل میں حکمائے یونان میں سے اس گروہ کی پیروی کی ہے جس کا شمار حکمائے اہلین میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی مشہور تصنیف جس میں ارسطو اور افلاطون کی مختلف مسائل پر رایوں میں تطبیق دی ہے اور جس کا نام 'الجمع بین الرایین' ہے، میں حدوث عالم (عالم حادث ہے)، نبوت، معجزات، وحی اور ملائکہ کا مشاہدہ، ملائکہ، معاد اور عبادات وغیرہ مسائل پر جو گفتگو کی ہے اور جس طرح ان کی رایوں میں تطابق پیدا کیا ہے وہ اسلامی تعلیمات کے موافق اور مطابق ہے۔ اور تفصیلات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ الہیات کے مسائل ہوں یا سیاسیات کے، فارابی کا میلان ہر جگہ نہ صرف یہ کہ مذہب کی طرف ہے بلکہ اپنی تحریروں میں جگہ جگہ وہ طحانہ خیالات سے بے زاری کا اظہار بھی کرتا ہے۔

11.5 ابو بکر محمد بن زکریا رازی

11.5

علوم عقلیہ میں جن مسلمانوں نے سب سے زیادہ نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور جن کی خدمات کا اعتراف اپنوں اور غیروں سبھی کو ہے۔ ابو بکر محمد بن زکریا رازی کا نام ان میں ایک ہے۔ رازی کا اصل نام محمد، کنیت ابو بکر، والد کا نام زکریا اور دادا کا نام تھی تھا۔ گمان غالب ہے کہ محمد بن زکریا رازی 240ھ میں یا اس کے آس پاس ایران کے مشہور شہر رے میں پیدا ہوئے اور وہیں پران کی نشوونما بھی ہوئی۔ کچھ لوگوں کے خیال میں رازی نے بچپن میں تعلیم نہیں حاصل کی، بلکہ اپنی جوانی کے ابتدائی ایام تک وہ عموماً بجاتا تھا اور گانا گاتا تھا۔ لیکن زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ اس نے بچپن میں رے کے مکتبوں میں اس زمانے کی روایتی تعلیم حاصل کی۔ فلسفیانہ و عقلی علوم کی تعلیم کی طرف وہ بعد میں متوجہ ہوا۔ اور فلسفے اور طب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اور ان علوم میں ایسی مہارت حاصل کی کہ امامت کے مرتبے پر فائز ہوا۔ خاص طور پر رازی نے علم طب میں جو کمال پیدا کیا اور اس میں جو خدمات انجام دیں اس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کی طبی مہارت کے سلسلے میں یہ فقرہ ضرب المثل بن گیا ہے 'فن طب مردہ ہو گیا تھا جالینوس نے اس کو زندہ کیا، وہ پر آگندہ تھا رازی نے اس کو ایک شیرازے میں منسلک کیا۔ وہ ناقص تھا ابن سینا نے اس کی تکمیل کی'۔

محمد بن زکریا رازی نے پہلے فلسفے کی تعلیم حاصل کی اور طب کی تعلیم اس وقت شروع کی جب اس کی عمر تقریباً 40 برس ہو چکی تھی۔ طب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد رازی نے طبابت کا مستقل پیشہ اختیار کر لیا۔ پہلے وہ اپنے وطن رے کے شفا خانے کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا۔ اور بعد میں خلیفہ ملٹقی کے زمانے میں بغداد کے سب سے بڑے شفا خانے کا افسر اعلیٰ بنایا گیا۔ لیکن بعد میں وہ رے منتقل ہو گیا اور اس کے بڑھاپے کا زمانہ وہیں گزرا، جہاں وہ طبابت کرتا تھا اور لوگوں کو طب کی تعلیم بھی دیتا تھا اور اس کی عمر اتنی ہو چکی تھی کہ اس کے شاگردوں کے بھی شاگرد پیدا ہو چکے تھے۔

رازی نے حصول علم اور امراء اور بادشاہوں کے علاج معالجے کی غرض سے سفر بھی بہت زیادہ کئے۔ رے اور بغداد کے درمیان تو

اس نے متعدد سفر کیے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک سفر اسپین کا بھی کیا تھا۔ اور فہرست ابن ندیم کے مطابق وہ مختلف شہروں میں پھرا کرتا تھا۔ رازی اپنی زندگی کے آخری حصے میں اندھا ہو گیا تھا اور اس کی وجہ اس کی آنکھوں میں پانی کا اتزنا تھا۔ بینائی کے ختم ہوجانے کے بعد وہ بالکل بے کار ہو گیا۔ اور اس کے چند سالوں کے اندر 320ھ میں رے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوا۔

ایک طبیب کی حیثیت سے رازی نے نہایت کامیاب زندگی گزاری۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فیاض تھا۔ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ محتاجوں اور مریضوں کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو بڑے بڑے وظیفے دیتا تھا اور ان کی تیمارداری بھی کرتا تھا۔ طب کے علاوہ رازی علم کیمیا میں بھی خاصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی زندگی میں مختلف ادوار سے گزرا، وزیروں اور امیروں سے تعلقات کی وجہ سے اس کی زندگی کا بیشتر حصہ خوش حالی میں گزرا۔ لیکن کبھی کبھی اسے مالی پریشانیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی کے مذہب اور عقیدہ کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ اتنا طے ہے کہ اکثر مسلم فلسفیوں کے برعکس وہ ارسطو کے فلسفے کا سخت مخالف تھا۔ اور اس نے یونانی فلسفیوں تالیس ملطی اور فیثاغورث کے فلسفہ طبعی کی جم کر حمایت کی، اور اس کی تائید میں کتابیں بھی لکھیں۔ واضح رہے کہ تالیس ملطی پہلا یونانی فلسفی ہے جس نے خدا کے وجود کا انکار کیا اور فیثاغورث معاد یعنی ایک عالم روحانی کا منکر تھا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تالیس ملطی اور فیثاغورث کی حمایت و تائید کی وجہ سے رازی بھی خدا کے وجود اور معاد کا منکر رہا ہوگا یا کم از کم اسے ان میں شک و شبہ رہا ہوگا۔ البتہ جب ہم اس کی تصنیفات کی فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف خدا کے وجود کو تسلیم کرتا تھا بلکہ حشر و نشر کا بھی قائل تھا۔ مولانا عبدالسلام ندوی حکمائے اسلام میں اس کے مذہب کے ذکر میں لکھتے ہیں:

اس نے ایک کتاب میں ثابت کیا ہے کہ علم تشریح اور علم نافع الاعضاء کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی پیدائش محض بخت و اتفاق کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کو ایک خالق حکیم نے پیدا کیا ہے۔ اس نے ایک کتاب معاد کے ثبوت میں لکھی ہے۔ اور جو لوگ معاد کے قائل نہیں ہیں ان کی تردید کی ہے۔ اس کا قول ہے کہ طبیب کو معتدل حالت میں رہنا چاہیے۔ نہ بالکل دنیا کی طرف متوجہ ہو، نہ بالکل آخرت سے غافل ہو؛

(حکمائے اسلام، جلد اول، ص 184)

مسلم فلسفیوں میں رازی کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانے کے عام فلسفیانہ رجحان یعنی ارسطو کے فلسفہ الہیات سے ہٹ کر خالص ایرانی الہی فلسفے کی پیروی کی، اور مولانا عبدالسلام ندوی کے مطابق:

اسی بنا پر اس نے ارسطو کے فلسفے کی مخالفت کی..... اس کا خیال تھا کہ ارسطو نے فلسفہ کو بالکل خراب کر دیا اور اس کے بہت سے اصول بدل دیے۔ اس مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ رازی نے اپنی کتاب علم الہی اور طب روحانی وغیرہ میں ارسطو کی جو تردید کی ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شر کے متعلق مثنویہ کی، ابطال نبوت میں براہمہ کی اور تناسخ (آواگون) کے بارے میں صائبہ کی رائیوں کو پسند کرتا تھا۔ فیثاغورث، تالیس ملطی اور یونان اور مصر کے صائبہ کا غالباً یہی فلسفہ تھا یا کم از کم

اس فلسفہ سے ملتا جلتا تھا۔ اس لیے رازی نے ارسطو کو چھوڑ کر ان ہی قدیم حکماء کا فلسفیانہ مذہب اختیار کیا۔ (جلد اول، ص

(193)

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ رازی کو اپنے طبی کارناموں کی وجہ سے جو لازوال شہرت حاصل ہوئی فلسفے کے میدان میں وہ اس نیک نامی کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ارسطو کے فلسفے کو چھوڑ کر اس نے ایرانی فلسفے کو جو مانی وغیرہ کی کتابوں میں مذہبی شکل میں موجود تھا، اختیار کیا۔ ظاہر ہے یہ فلسفہ طحڑانہ اور مذہب اسلام کے بالکل خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خود اس کے معاصرین نے اس کے فلسفیانہ خیالات پر شدید تنقید کی اور بطور فلسفی وہ مسلمانوں میں کبھی بھی مقبول نہیں ہو سکا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہاں ایک طرف اس کی طبی کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا وہیں اس کی فلسفیانہ کتابوں کی بالکل قدر نہیں ہوئی اور زیادہ تر کتابیں ضائع ہو گئیں۔ صرف چند رسائل جو شائع ہو گئے ہیں، موجود ہیں۔

11.6 ابن سینا

مسلم فلسفیوں میں جیسی شہرت و مقبولیت ابن سینا کے حصے میں آئی ویسی کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔ ان کا کمال یہ ہے کہ اس نے فلسفے کی ترتیب و تدوین ایسے جامع انداز میں کی کہ یونانی فلسفے اور مشرقی حکمت کا جامع قرار پایا۔ اس نے قدیم فلسفیوں کی شرحیں لکھنے کے بجائے خود اپنا فلسفہ مدون کیا اور درس و تدریس کے پرانے طریقے کو نئے سانچے میں ڈھالا۔ ابن سینا جو شیخ اور بوعلی سینا کے ناموں سے بھی شہرت رکھتا ہے، کا نام حسین، کنیت ابوعلی اور والد کا نام عبداللہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا۔ ابن سینا کا خاندان بلخ کا رہنے والا تھا۔ اس کے والد بخارا میں سرکاری ملازم تھے اور وہیں پرافضہ نامی گاؤں میں صفر 370ھ میں ابن سینا پیدا ہوا۔ کچھ دنوں بعد اس کا پورا خاندان بخارا منتقل ہو گیا۔ لہذا ابن سینا کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ یہیں شروع ہوا۔ ابتداء قرآن مجید اور ادب کی تعلیم سے ہوئی۔ اور صرف دس برس کی عمر میں ہی ان کی ذہانت کا چرچا ہونے لگا تھا۔ عقلی علوم کا آغاز انہوں نے ریاضی سے کیا اور اس کے ساتھ ہی فقہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے منطق کی تعلیم حاصل کی اور طبیعیات اور الہیات کی کتابیں پڑھیں۔ سب سے آخر میں انہیں علم طب کا شوق ہوا اور بہت تھوڑی مدت میں انہوں نے اس میں اس قدر کمال پیدا کر لیا کہ برے بڑے طبیب نہ صرف ان سے رجوع کرنے لگے بلکہ مریضوں کے علاج معالجے میں ان کے تجربات سے فائدہ بھی اٹھانے لگے۔ سولہ برس کی عمر میں ان تمام علوم کی تحصیل کے بعد انہوں نے تقریباً ڈیڑھ سال کی مدت ایک بار پھر منطق و فلسفہ کی تعلیم میں صرف کی۔ اسی دوران اس کے ہاتھ فارابی کی کتاب تعلیم ثانی لگی، جس کو پڑھنے کے بعد اس پر فلسفے کے تمام اسرار و غوامض واضح ہو گئے۔ اس سے وہ اس قدر خوش ہوئے کہ شکرانے کے طور پر بہت سارا مال صدقہ و خیرات کر دیا۔ اسی دوران انہیں بخارا کے حاکم نوح بن منصور سامانی کا کامیاب علاج کرنے کی وجہ سے اس کے کتب خانے تک رسائی حاصل ہو گئی، جس میں فلسفے کی بھی بہت ساری کتابیں تھیں۔ ان کے مطالعے کے بعد ابن سینا کے علم میں مزید پختگی آ گئی۔

صرف اٹھارہ برس کی عمر میں ابن سینا نے تمام علوم سے فراغت حاصل کر لی۔ 21 برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہوئے جو تمام عمر جاری رہا۔ ابن سینا کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے اپنے پہلے کے فلسفیوں کی طرح زاہدانہ روش اختیار کرنے کے بجائے خود کو امراء اور حکمرانوں کے درباروں سے وابستہ رکھا۔ اس نے خود کو صرف علاج معالجے تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ سرگرم سیاسی زندگی بھی گزاری۔ اور وزارت کے عہدے پر بھی فائز رہا۔ البتہ اس نے اپنے علم اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں اعتدال و توازن برقرار رکھا۔ دن میں

وہ سیاسی امور میں مشغول رہتا۔ رات کا ایک حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں صرف کرتا۔ سیاست میں سرگرمی کے سبب اسے قید و بند وغیرہ کی صعوبتیں بھی برداشت کونی پڑیں۔ لیکن ان اوقات کو بھی اس نے مفید کاموں میں صرف کیا اور کئی کتابوں کی تکمیل یا آغاز اس نے قید خانے میں کیا۔

جسمانی طور پر ابن سینا بہت طاقتور تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی بہت ہی غیر محتاط بھی تھی؛ جس کا اثر اس کی صحت پر پڑا اور وہ کمزور ہو گیا۔ اس کو اپنے مزاج کی قوت پر اتنا اعتماد تھا کہ کمزوری اور صحت کی خرابی کے باوجود علاج نہیں کرتا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمزوری باقی رہی اور وہ درد قویج میں مبتلا ہو گیا۔ لیکن اس حال میں بھی بے احتیاطی اور بد پرہیزی سے باز نہ آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی صحت روز بروز گرتی گئی اور تو اے جسمانی اس قدر کمزور ہو گئے کہ شفا کی امید جاتی رہی۔ اس موقع پر اس نے علاج کرنا چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر کے غسل کیا، توبہ کی، جو کچھ مال و دولت تھا فقیروں میں تقسیم کر دیا، اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے اور ہر تیسرے دن ایک قرآن ختم کرنے لگا۔ اسی حالت میں کچھ دن گزارنے کے بعد 428ھ رمضان کے مہینے میں جمعہ کے دن اس کا انتقال ہوا۔ اس میں اختلاف ہے کہ انتقال کے وقت اس کی عمر 53 سال تھی یا 58 سال۔ اس کی وفات ہمدان میں ہوئی اور وہیں مدفون بھی ہے۔

ابن سینا اپنی زندگی کی ابتدا سے ہی ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اور زندگی کے آخری لمحے تک راسخ العقیدہ رہا۔ عقائد کے ساتھ ساتھ عملاً بھی وہ مذہبی تھا۔ زندگی کے ابتدائی ایام میں جب بھی کوئی پیچیدہ مسئلہ آتا وہ سیدھا جامع مسجد جاتا اور بارگاہ خداوندی میں نماز پڑھ کر گریہ وزاری کرتا۔ وفات کے وقت بھی اس نے توبہ کی، مال و دولت کو صدقہ کیا اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ ابن سینا نے فلسفیوں کی زاہدانہ روش کو نہ صرف بدلا، بلکہ شراب خوری اور عیاشی میں بھی مصروف رہا۔ لیکن اس کے بعض سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ شراب کا استعمال وہ دوا کے طور پر کرتا تھا اور جنسی بے اعتدالی کے باوجود وہ کسی کے ساتھ ناجائز تعلقات نہ رکھتا تھا۔

ابن سینا اٹھارہ برس کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہوا۔ 21 برس کی عمر میں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے کام میں مشغول ہوا جو تمام عمر جاری رہا۔ اس دوران اس نے بے شمار کتابیں لکھیں اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔ اس کی عمر کا بڑا حصہ سیاسی کاموں میں گزرا۔ اور وہ سلطنت کے سب سے عزت دار عہدے وزارت پر مدتوں کام کرتا رہا۔ تاہم ہر حال میں اس نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے کام کو جاری رکھا۔ اس نے کئی کتابیں سفر میں، کچھ قید خانے میں اور کچھ کتابیں روپوشی کے زمانے میں تصنیف کیں۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے حکمائے اسلام میں ابن سینا کی 51 تصانیف کی فہرست دی ہے اور اس کے متعدد نامور شاگردوں کا تذکرہ بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

ابن سینا کے فلسفے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے بہت جلد اور بے انتہا مقبولیت حاصل کی۔ چھٹی صدی ہجری کے بعد اس کا فلسفہ پوری مسلم دنیا میں پھیل گیا۔ اگر کچھ لوگوں نے اس پر اعتراضات اور تنقیدیں کیں تو اس سے بڑی تعداد میں لوگوں نے اس کی حمایت کی۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس نے فلسفہ و منطق کی تمام شاخوں کو منظم و مرتب کر دیا۔ اور مبتدی، ہنسی اور متوسط ہر طبقے کے لیے کتابیں لکھ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی کتابیں نصاب تعلیم کا حصہ بن گئیں۔ اور جب ایک بار اس کی کتابوں کی درس و تدریس شروع ہوئی تو پھر اس کا فلسفہ بھی مشرق و مغرب میں ہر جگہ پھیل گیا۔ ابن سینا کی مقبولیت و شہرت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ مختلف موضوعات پر لکھی ہوئی اس کی کتابوں کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں میں ہوئے۔ اور اٹھارہویں و انیسویں صدی عیسوی تک یہ کتابیں یورپ کی تعلیم گاہوں میں پڑھائی جاتی

رہیں۔ فلسفے میں ابن سینا کا خاص امتیاز یہ ہے کہ وہ فلسفے اور اسلامی عقائد میں تطبیق دیتا ہے۔ اسی طرح فلسفے میں ارسطو کی تقلید و پیروی کے باوجود ابن سینا فلسفہ الہیات میں اس کی یا یونان کے دیگر فلسفیوں کی پیروی نہیں کرتا۔ کیوں کہ الہیات کے مسائل میں ان کی واقفیت بہت کم تھی۔ چنانچہ ابن سینا نے فلسفہ الہیات میں اس قدر اضافہ کیا کہ اس کی شکل ہی بدل گئی، مثلاً نبوت، معاد، معجزات، کرامات اور وحی والہام وغیرہ کے مسائل و مباحث اور ان مسائل کو اس نے مسلمان متکلمین اور علماء سے لیا ہے۔ اور انہیں مدلل کر کے پیش کیا ہے۔

11.7 ابن رشد

مغرب کی نشاۃ ثانیہ میں جن چند مسلم دانش وروں اور فلسفیوں کا تعاون سب سے زیادہ رہا ہے، ابن رشد کا نام ان میں ایک ہے۔ اور اسے مسلم دنیا میں دیا مغرب کا سب سے بڑا فلسفی اور دانش ور خیال کیا جاتا ہے۔ ابن رشد کا تعلق اندلس (اسپین) میں قرطبہ کے قاضیوں کے مشہور خاندان سے تھا۔ اس کا پورا نام محمد ابن احمد ابن رشد ہے۔ اس کی کنیت ابو الولید ہے اور 520ھ میں (مطابق 1126ء) قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اس زمانے کی روایت کے مطابق مختلف اساتذہ فن سے فقہ، حدیث، اخلاقیات، ادب، طب اور فلسفہ کے علوم حاصل کیے اور ان میں کمال پیدا کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اس نے خود بھی درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور بڑی تعداد میں لوگوں نے اس سے مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ پہلے وہ قرطبہ کا قاضی تھا اور بعد میں اسے پورے اندلس اور مراکش کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ موحدین کی حکومت کے پہلے فرماں روا عبدالمومن نے جب اندلس و مراکش میں مدارس قائم کئے تو 548ھ (مطابق 1153ء) میں ابن رشد کو بھی مراکش طلب کیا۔ البتہ ابن رشد کی فلسفیانہ شخصیت کا سب سے پہلا اظہار ہمیں یوسف بن عبدالمومن کے زمانے میں نظر آتا ہے جو خود بھی عقلی علوم کا دل دادہ تھا۔ اس نے کثیر تعداد میں فلسفیانہ علوم کی کتابیں جمع کی تھیں اور ان کے ساتھ ہی اپنے دربار میں فلسفیوں کو بھی جمع کر رکھا تھا جن میں سب سے نمایاں نام ابن طفیل کا ہے۔ ابن طفیل کی کوشش سے ہی ابن رشد کو یوسف بن عبدالمومن کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی۔ دربار سے وابستگی کے بعد ابن رشد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ارسطو کی کتابوں کی شرح لکھی اور ان کی تلخیص بھی کی۔ ابن طفیل کی وفات کے بعد یوسف بن عبدالمومن نے اسے اپنا طبیب خاص بنا لیا، البتہ یوسف بن عبدالمومن کی وفات کے بعد ابن رشد کا عروج زیادہ دن برقرار نہ رہا۔ اور دربار میں اس کے حاسد اور دشمن جو پہلے سے ہی موجود تھے انہوں نے نئے حکمران منصور ابن یوسف کے کان بھرے اور اسے قرطبہ سے قریب جلاوطن کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ الزام الحاد اور بے دینی کا لگایا گیا۔ بعد میں اسے باعزت رہائی ملی اور اسی حال میں 9 صفر 595ھ مراکش میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

ابن رشد کو اپنے خاندانی تعلق اور علم و فن میں کمال کی وجہ سے بہت زیادہ عزت و احترام ملا، شاہی دربار میں بھی اسے تقرب حاصل تھا۔ اس کے باوجود وہ خاکسار اور متواضع تھا۔ اس نے خود تو مال و دولت جمع نہیں کیا البتہ ہمیشہ اپنے شہر اور ملک کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عرصے تک وہ قاضی رہا، لیکن رحم دل اتنا تھا کہ کبھی کسی کو موت کی سزا نہیں دی، جب کبھی اس طرح کا موقع ہوتا تو کسی کو اپنا قائم مقام بنا دیتا۔ اگرچہ ابن رشد پر الحاد و بے دینی کے الزامات بھی لگے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور شائع اسلامی کا پابند تھا۔ وہ علم کا دل دادہ تھا اور تمام عمر علمی مشغلوں میں مصروف رہا۔ کہا جاتا ہے کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد صرف دو راتیں اس پر ایسی گزری ہیں جن میں اس نے مطالعہ نہیں کیا۔ ایک وہ رات جس میں اس کے والد کا انتقال ہوا، اور دوسری وہ رات جس میں اس کی شادی ہوئی۔ ان کے

علاوہ وہ ہمیشہ بحث و مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف رہا۔ اور تقریباً دس ہزار صفحات لکھے۔ اس کی تصنیفات کی تعداد مولانا عبدالسلام ندوی نے مختلف حوالوں سے 68 بتائی ہے۔ ان میں 28 کتابیں صرف فلسفے کے موضوع پر ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ مسلم دنیا میں فلسفہ ارسطو کے تین بڑے شارح گزرے ہیں۔ (1) فارابی (2) ابن سینا اور (3) ابن رشد۔ فارابی اور ابن سینا کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مشرق میں ارسطو کے فلسفے کی نہ صرف اشاعت کی بلکہ اس میں قابل ذکر اضافہ کر کے اسے ایک ایسے سماج کے لیے موزوں بنایا جو اسلام کی الہامی تعلیمات کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فارابی اور ابن سینا سے ارسطو کے فلسفے کو سمجھنے میں بعض مقامات پر غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ ابن رشد کا کمال یہ ہے کہ اس نے ارسطو کے فلسفے کی اشاعت مغرب (یورپ) میں کی۔ اور چونکہ اس کا تعلق بعد کے زمانے سے ہے اس لیے اس نے ان غلطیوں کی تصحیح کا کام بھی کیا جو فارابی اور ابن سینا سے ہوئی تھیں۔ ابن رشد گو یونانی زبان کا عالم نہ تھا تاہم اس کے زمانے تک ارسطو کی کتابوں کے جو ترجمے عربی زبان میں ہو چکے تھے ان کو سامنے رکھ کر اس نے دنیا کے سامنے فلسفہ ارسطو کی بہترین تصویر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس نے ایک طرف ارسطو کی کتابوں کی تشریح و تلخیص کا کام کیا، تو دوسری طرف فارابی اور ابن سینا کی غلطیوں کی نشان دہی بھی کی۔ اسی طرح اس نے متکلمین اشاعرہ کے فلسفے کے اوپر اعتراضات کی تردید بھی کی۔ ابن رشد نے ارسطو کی کتابوں کی شرح تین طرح سے کی ہے۔

(1) تفصیلی شرح:

اس طرح کی شرحوں میں ابن رشد ارسطو کے ایک ایک فقرے کو لیتا ہے اور پھر تفصیل کے ساتھ ان کی تشریح بیان کرتا ہے۔

(2) درمیانی شرح:

اس طرح کی شرحوں میں ابن رشد ارسطو کی کتابوں کا پورا متن نہیں نقل کرتا۔ بلکہ اس کی عبارتوں کے ابتدائی فقرے نقل کر کے ان کی تشریح بیان کرتا ہے۔ (یہ فارابی کا طریقہ تشریح ہے)

(3) تلخیص:

ان کتابوں میں وہ ارسطو کی کتابوں کے متن کا ذکر نہ کر کے ان کے مطالب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

ابن رشد نے ارسطو کی تقریباً تمام کتابوں کی ان تینوں طریقوں پر شرحیں لکھی ہیں۔ اور اسکی یہی وہ تشریحات ہیں جن کے توسط سے ارسطو کا فلسفہ مغرب میں پہنچا۔ بہر حال اس میں بہت زیادہ رول ان یہودیوں کا ہے جو اس کے زمانے میں (اور بعد میں بھی) اندلس کی مسلم حکومت میں آباد تھے۔ اور جنہوں نے اس کی کتابوں کے یورپی زبانوں میں ترجمے کر کے ان کی تعلیم گاہوں میں عام کیے۔ اگر ایک طرف ابن رشد کا فلسفہ ترجموں کے ذریعہ مغرب میں پھیلا تو دوسری طرف اس کے فلسفے کی اشاعت مشرق میں اس لیے نہیں ہو سکی کہ اس کی بیشتر عربی کتابوں کے نسخے ضائع ہو گئے۔

- 1 مسلمانوں میں اس سے پہلے شخص کا نام بتائیں جو فلسفی کے نام سے مشہور ہے۔
- 2 'الجمع بین الرائین' کس مسلم فلسفی کی تصنیف ہے؟
- 3 فلسفے میں ابن سینا کا امتیاز کیا ہے؟
- 4 ارسطو کے فلسفے کے تین بڑے مسلم شارحین کے نام لکھیں۔

11.8 شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی

مسلمانوں کی علمی روایت میں دو لوگ ایسے گزرے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا علم ان کی عقل سے زیادہ تھا۔ ایک شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دوسرے شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے نام کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح روایت کے مطابق ان کا نام یحییٰ، کنیت ابو الفتح اور لقب شہاب الدین ہے۔ وہ سہرورد میں پیدا ہوئے۔ لیکن سال ولادت نامعلوم ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ ان کی ولادت 549 یا 550ھ میں ہوئی ہوگی۔ شیخ شہاب الدین کو بچپن سے ہی تحصیل علم کا شوق تھا۔ چنانچہ مراغہ (ایک مقام) میں جا کر انہوں نے مجد الدین جبلی سے علم حکمت اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان دنوں علوم میں کمال پیدا کیا۔ اس کے بعد اصفہان جا کر منطق کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر انہوں نے سیر و سیاحت شروع کی اور صوفیوں کی صحبت میں رہ کر ان سے علوم باطنی حاصل کیے۔ تصوف و حکمت دونوں طرح کے علوم میں کمال پیدا کیا اور دونوں ہی طرح کے علوم ان کی ذات میں یکجا ہو گئے۔ شیخ الاشراق علوم و فنون میں مہارت کے ساتھ انتہائی جری اور بے باک بھی تھے اور ان کی یہی جرأت و بے باکی ان کی ہلاکت کا سبب بھی بنی۔ چنانچہ جب وہ اپنی سیر و سیاحت کے دوران شام کے شہر حلب پہنچے اور وہاں کے علماء اور فقہاء سے مناظرے کیے تو کوئی ان کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا۔ ان مناظروں میں انہوں نے فلسفیوں (حکماء) کی نہ صرف مدافعت کی بلکہ ان کے فضائل بھی بیان کیے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کی تردید کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فقہاء ان کے مخالف ہو گئے۔ ان پر مدعی نبوت ہونے کا الزام لگا اور شام کے حکمران ملک الظاہر نے صلاح الدین ایوبی کے حکم سے انہیں قتل کرادیا۔ یہ واقعہ 586ھ یا 587ھ کا ہے۔ حلب شہر کے باہر ان کی لاش کو دفن کیا گیا۔

شیخ الاشراق کا فقہی مسلک شافعی تھا۔ لیکن ان کے عقائد کے بارے میں اختلاف ہے، کچھ لوگ انہیں ملحد و بے دین سمجھتے تھے تو کچھ لوگ ان کو نیک صالح اور صاحب کرامات خیال کرتے تھے۔ زہد و ریاضت میں ان کا طریقہ بالکل عیسائی راہبوں سے ملتا جلتا تھا۔ اکثر سیر و سیاحت اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے۔ عام طور پر خاموش رہتے۔ لوگوں سے میل جول بھی کم رکھتے تھے۔ سماع و موسیقی کا انہیں شوق تھا۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، جن میں عارفانہ اور حکیمانہ باتیں ہوتی تھیں۔ ان کی 47 تصانیف کے نام ملتے ہیں۔ ان میں سے کچھ زیور طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہیں۔ شیخ الاشراق کی سب سے مشہور تصنیف حکمت الاشراق ہے جس میں انہوں نے اپنے فلسفیانہ افکار بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے رسالوں ہیاکل النور اور رسالہ آواز جبریل کو بھی کافی شہرت ملی۔

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کی انفرادیت یہ ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ مشائی کا زور تھا اور شیخ بوعلی سینا (ابن سینا) کو اس کا امام تسلیم کیا جاتا تھا، انہوں نے لوگوں کو فلسفے کی ایک نئی شاخ سے روشناس کرایا۔ جو ارسطو کی فلسفیانہ آراء سے ہٹ کر اور الگ تھی اور جس میں مجاہدہ و ریاضت کو خاص مقام حاصل تھا۔ شیخ الاشراق کے فلسفہ اشراق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ماخذ و مصدر کسی ایک شخص (ارسطو) کی رائیں اور تصانیف نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اس میں ارسطو کے علاوہ دوسرے قدیم یونانی فلسفیوں، ایرانی فلسفیوں اور ہندوستانی فلسفیوں کے خیالات کو جمع کر دیا ہے۔ اور اس کی بنیاد ذوق، مشاہدہ، ریاضت، مجاہدہ اور خلوت گزینی (نشینی) پر ہے۔ غرض شیخ الاشراق کا فلسفہ قدیم یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فلسفوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں روحانیت کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور دنیا کے تمام کاروبار روحانی ہستیوں کے ذریعے چل رہے ہیں اور اس کی ہر چیز میں روحانیت کی جلوہ گری ہے۔

11.9 ابن خلدون

ایک ایسے زمانے میں جب اسپین میں مسلمانوں کی آپسی کش مکش اور لڑائیوں کے سبب مغرب میں ان کا تمدن زوال پذیر تھا اور قریب تھا کہ سیاسی حکمرانی کے ساتھ ثقافت و تمدن بھی خاتمے کو پہنچ جائیں، ان کے درمیان ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے نہ صرف تمدن کی نشوونما کا قانون مرتب کیا بلکہ ایک نئے فلسفہ تمدن اور فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی۔ اس شخص کو دنیا ابن خلدون کے نام سے جانتی ہے۔

ابن خلدون کا پورا نام ابو یزید عبدالرحمان بن محمد بن خلدون ہے اور لقب ولی الدین ہے۔ اس کی پیدائش یکم رمضان 732ھ / 27 مئی 1332ء کو تونس کے مشہور شہر طنجہ میں ہوئی۔ اس کا خاندان تیسری صدی ہجری میں یمن سے ترک وطن کر کے پہلے اسپین کے شہر اشبیلیہ میں آباد ہوا اور پھر ساتویں صدی کے وسط میں اسپین سے آ کر تونس میں آباد ہو گیا تھا۔ طنجہ میں ہی ابن خلدون کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور یہیں پر اس نے اپنے زمانے کے متداول علوم بھی حاصل کیے جن میں فلسفہ بھی شامل تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جب اس کی عمر صرف اکیس برس تھی وہ تونس کے حاکم کاسکر بیٹری مقرر ہوا۔ البتہ اس نے کہیں بھی جم کر ملازمت نہیں کی بلکہ اس زمانے کے حالات کے تحت مختلف مقامات پر سرکاری ملازمتیں کیں یا پھر سیر و سیاحت کرتا رہا۔ ملازمتوں کی تبدیلی اور سیر و سیاحت کے دوران اسے مختلف اساتذہ علوم و فن سے استفادے کا موقع ملا اور اس کے علم میں مزید پختگی آتی گئی اور اس نے اپنی پوری زندگی علوم کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ 74 برس کی عمر میں 808ھ / 1406ء میں قاہرہ میں ابن خلدون نے وفات پائی۔

ابن خلدون نے اپنی زندگی میں سرکاری ملازمتوں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی خاص کام کیا۔ البتہ ان میں سب سے زیادہ شہرت تاریخ پر اس کی کتاب کولہ جس کا نام کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب و العجم و البربر ہے۔ البتہ اس کی ساری شہرت کا دار و مدار اس مقدمے پر ہے جسے اس نے اس کتاب پر لکھا ہے اور جو اپنے آپ میں خود ایک کتاب ہے۔ مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور اس کتاب میں اس نے فلسفہ تاریخ اور فلسفہ عمرانیات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ اجتماعی زندگی خانہ بدوشی سے شروع ہو کر قبائل کی حیثیت اختیار کرتی ہے اور پھر شہری زندگی میں تبدیل ہو کر تین سے چھ نسلوں کے دوران اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کے مطابق پہلی نسل خاندانی عظمت کی بنیاد کو استوار کرتی ہے۔ دوسری اور کبھی تیسری، چوتھی، پانچویں نسل اسے برقرار

رکھنے کا کام کرتی ہے اور آخری نسل اسے منہدم اور مسمار کر دیتی ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک یہ ایک دائرہ ہے جس میں ہر تمدن گردش کرتا ہے۔

ابن خلدون کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے فکر اور خیال میں سنجیدہ اور محتاط رہتا ہے۔ وہ فلسفیوں کی پراسرار عقلیت کے مقابلے میں اپنے عقیدے کے سبب اسلام کے سیدھے سادے احکام کی تائید اور حمایت کرتا ہے۔

ابن خلدون کے خیال میں فلسفہ اصل میں اس علم کا نام ہے جس میں موجودات سے بحث کی جاتی ہے اور اسباب و علل کے مطابق ان کی نشوونما دکھائی جاتی ہے۔ اس کے مطابق فلسفی عالم مثال اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ فلسفے کے احاطے سے خارج ہیں۔ یہ حضرات ایسی باتیں کہتے ہیں جن کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ تاریخ اس اعتبار سے فلسفے کا حصہ ہے کہ علت و معلول کا سلسلہ اس میں بھی کام کرتا ہے، یعنی جب تمدنی حالات ایک سے ہوں تو ایک ہی طرح کے واقعات پیش آتے ہیں۔ اس کے مطابق زمانہ حال کا تازہ اور مکمل علم ماضی کے واقعات کی تحقیق کا بہترین ذریعہ ہے، جو زمانہ ہم سے قریب ہے اور جسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں اس پر ہم ماضی کے غیر معروف واقعات کو بھی قیاس کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ آنے والے زمانے کا بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ ابن خلدون کے نزدیک زمانے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ فرد اور جماعت کی فطرت میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے فلسفہ تاریخ کے ذریعے ہمیں یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ لوگ کس طرح محنت کرتے ہیں اور اپنے لیے روزی کماتے ہیں۔ وہ کیوں آپس میں لڑنے لگتے ہیں اور پھر الگ الگ سرداروں کی قیادت میں بڑے بڑے گروپ بنا لیتے ہیں اور پھر کس طرح بدویانہ زندگی دھیرے دھیرے ایک مہذب اور شائستہ تمدن بن جاتی ہے اور کس طرح یہ تمدن زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔

11.10 ملا محمود جون پوری

ہندوستان میں مشرقی اتر پردیش کے شہر جون پور کو شیراز ہند کہا جاتا ہے، جس کی بنیادی وجہ وہاں سے جاری ہونے والا علمی فیض اور علماء ہیں۔ جون پور نے علم و حکمت کے جوڈر نایاب پیدا کیے ان میں ایک نمایاں نام ملا محمود جون پوری کا ہے۔ جو اپنے زمانے کے بے مثال عالم تھے۔ ان کا پورا نام محمود ابن شیخ محمد بن شاہ محمد ہے۔ 993ھ/1585ء میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ وہیں پر اپنے دادا شاہ محمد سے درسیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ 17 سال کی عمر میں استاد الملک شیخ محمد افضل جون پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تمام درسی علوم کی تکمیل کی۔ درسی علوم سے فراغت کے بعد اس زمانے کے دار الحکومت اکبر آباد (موجودہ آگرہ) گئے اور شاہ جہاں کے وزیر آصف خان سے مل کر ہندوستان میں ایک رصد گاہ (Observatory) کی تعمیر پر اسے آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن بعض وجوہ سے یہ کوشش ناکام رہی۔ چنانچہ واپس جون پور آگئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ 9 ربیع الاول 1062ھ/19 فروری 1652ء کو اپنے استاد مولانا افضل جون پوری کی زندگی میں ہی وفات پائی۔ اس کا انہیں اس قدر صدمہ ہوا کہ چالیس دن کے بعد خود بھی انتقال کر گئے۔

ملا محمود جون پوری عقلی اور ادبی دونوں طرح کے علوم میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ ذہانت اور حافظہ ایسا تھا کہ پوری زندگی ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی جس سے کہ رجوع کرنے کی انہیں ضرورت پیش آئی ہو۔ ملا محمود جون پوری تحریر میں خصوصی مہارت رکھتے

تھے۔ اسی طرح علمی مجالس میں اہل علم پر گرفت بھی خوب کرتے تھے۔ البتہ تقریباً میں اس طرح کا ملکہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کی کتابوں اور حواشی کی تعداد دس بیان کی جاتی ہے۔ ان میں علم معانی و بیان میں فراندنی شرح الفوائد، رسالہ اقسام النساء (فارسی) الحکمتہ البالغۃ اور الشمس البازغۃ خاص اہمیت کی حامل ہیں ان میں بھی شمس بازغہ کو جونی الحقیقت الحکمتہ البالغۃ کی شرح ہے، ہندوستان میں لازوال شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، یہ کتاب آج تک درس نظامی میں شامل ہے اور آخری درجات میں پڑھائی جاتی ہے۔

حالانکہ ہندوستان میں علوم عقلیہ (فلسفہ) کا نویں صدی ہجری کے اواخر میں ہی رواج عام ہو چکا تھا۔ اور پورے برصغیر میں عقلی علوم نہ صرف یہ کہ پھیل چکے تھے بلکہ ہر جگہ ان کی درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ لیکن ملا محمود جون پوری ہندوستان میں عقلی علوم کے پہلے ماہر ہیں جنہوں نے بڑا نام پایا اور جن کی تصنیف شمس بازغہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔ ملا محمود جون پوری نے الشمس البازغہ کے علاوہ فلسفے میں بعض دوسرے رسالے بھی تحریر کیے جن میں سے بعض شمس بازغہ کے ساتھ اس کے ابواب یا لازمی حصے کے طور پر شائع ہوتے رہے ہیں۔ ملا محمود جون پوری نے الشمس البازغہ اس وقت لکھی شروع کی جب ایک طویل عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہنے کی وجہ سے ان کے علم میں خوب پختگی آچکی تھی۔ انہوں نے اصل متن کو حکمت بالغۃ اور شرح کو شمس بازغہ کا نام دیا۔ یعنی پہلے وہ قلت (میں نے کہا) سے اصل متن شروع کرتے ہیں اور پھر 'قول' (میں کہتا ہوں) کے ذریعہ اس کی شرح بیان کرتے ہیں۔ شمس بازغہ کی خصوصیت یہ ہے کہ فلسفے کی دیگر تصانیف کے مقابلے میں اس کا طرز بیان آسان اور عام فہم ہے اور یہی اس کی مقبولیت کا سبب بھی ہے۔

11.11 ملاصدر (محمد بن ابراہیم شیرازی)

ملاصدر کا نام محمد بن ابراہیم بن یحییٰ قدامی شیرازی ہے۔ صدرالدین بے اور ملاصدر (صدرالمثلین) کے القاب سے مشہور ہیں۔ 979 یا 980 ھ میں شیراز کے مشہور قوامی خاندان میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے اور عمر کے آخری حصے میں پیدا ہوئے تھے اس لیے انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ شیراز میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد صدرالدین (ملاصدر) مزید تحصیل علم کے لئے اصفہان گئے جو اس زمانے میں ایران کا دار الحکومت اور علم و ہنر کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں پر انہوں نے میر بہاء الدن عالمی سے علوم نقلیہ اور میر داماد سے عقلی علوم حاصل کئے۔ اور دونوں طرح کے علوم میں مہارت حاصل کر لی۔ اپنے افکار و عقائد کی وجہ سے انہیں علماء ظاہر کا نشانہ بھی بننا پڑا، جس کی وجہ سے انہوں نے اصفہان چھوڑ کر قم سے قریب ایک گاؤں میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جہاں وہ فلسفیانہ مسائل پر غور کرتے اور مختلف طرح کی ریاضتوں میں مشغول رہے۔ اسی دوران ایران کے گورنر اللہ وردی خان نے شیراز میں ایک مدرسہ قائم کیا اور ملاصدر کو وہاں تعلیم دینے کی دعوت دی۔ ملاصدر کی وجہ سے یہ مدرسہ (جو خان کا مدرسہ کہلاتا تھا) ایک بہت بڑا علمی مرکز بن گیا جہاں ہندوستان، ایران اور عرب ممالک سے طالب علم ان کے فضل و کمال سے فائدہ اٹھانے آتے تھے۔ ملاصدر نے سات بار پیدل چل کر (پایادہ) حج کیے۔ ساتویں بار حج سے واپس لوٹ رہے تھے کہ بصرہ میں 1050ھ/1640ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہیں۔

ملاصدر کی زندگی کے تین ادوار ہیں۔ پہلے دور میں انہوں نے علوم نقلی و عقلی کی تعلیم حاصل کی۔ دوسرے دور میں وہ ایک طویل عرصے تک گوشہ نشینی کی زندگی میں فلسفیانہ مسائل پر غور و فکر اور ریاضت میں مشغول رہے۔ زندگی کے تیسرے دور میں ملاصدر نے تدریسی

فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ زندگی کے پہلے مرحلے میں عقلی علوم کے حصول اور دوسرے مرحلے میں تہذیب نفس و ریاضت کے سبب ملاصدرا اس نتیجے پر پہنچے کہ حقیقت کے اثبات (ثابت کرنے) کے لئے دلیل و برہان ہی کافی نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ شہود و اشراق کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تصنیفات میں ان دونوں نظریوں کو جمع کرنے اور ملانے کی کوشش کی۔ اور یہی ان کے فلسفے کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت ہے۔

ملاصدرا کثیر التصانیف تھے اور انہوں نے مختلف علوم میں تقریباً بیس کتابیں لکھی ہیں۔ ملاصدرا کی تمام کتابیں (چند کو چھوڑ کر) عربی زبان میں ہیں۔ ان میں انہوں نے استدلال، وحی اور عرفان کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسلامی فلسفے میں اپنا ایک الگ مرکز قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے جس کا اثر تین صدیوں تک قائم رہا۔ اور ان کے بعد کے ایران کے تقریباً سبھی فلسفیوں نے ان کے مرکز کی پیروی کی ہے۔ ان میں ملاہادی سبزواری اور ملاعلی نوری نے ان کے افکار کی توسیع و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔

ملاصدرا کی علوم عقلی میں تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت الاسفار الاربعہ کو حاصل ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام 'الحکمة المتعالیة فی الاسفار العقلیة' بھی ہے۔ یہ اسلامی فلسفے کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ چار جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی پہلی جلد میں وجود و اعراض پر بحث کی گئی ہے۔ دوسری جلد میں طبعیات کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ تیسری جلد الہیات سے متعلق ہے اور چوتھی جلد میں نفس پر گفتگو کی گئی ہے۔ ایران میں فلسفے کے نصاب میں جو چار بنیادی کتابیں شامل رہی ہیں ان میں ایک ملاصدرا کی 'الاسفار الاربعہ' بھی ہے۔ (اس کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی سے شائع ہو چکا ہے)۔ فلسفے میں ملاصدرا کی دوسری اہم تصنیف اشیر الدین ابہری کی کتاب ہدایۃ الحکمتہ کی شرح 'شرح ہدایۃ الاثیر' ہے۔ ہندوستان میں یہ کتاب صدر کے نام سے مشہور ہے اور درس نظامی میں شامل ہے۔

سید حسین نصر کے الفاظ میں:

'صدر المتعالیین (ملاصدرا) نے حکمت کی ایک اساس قائم کی اور اس کے لیے اصول عرفان، روایات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ شیعہ کے اقوال و فرمودات سے دلائل پیش کیے اور اس طرح فلسفے کو ایک نئی زندگی بخشی۔ وہ خاص مسائل جو حکمت (فلسفہ) میں ملاصدرا نے پہلی مرتبہ داخل کیے اور پھر اس نظام فکر سے تمام مباحث میں مدد لی یہ ہیں: اصالت و وحدت، مراتب (تنزلات) وجود، حرکت جوہریہ، اتحاد عاقل و معقول، تجرد قوت خیالیہ، اثبات مثل (فلاطونی) اور صور عقلیہ خیالیہ یا برزخیہ۔

صدر اور جو کو ایک واحد اور اصلی حقیقت قرار دیتے ہیں جو وحدت کے ساتھ تنزلات متعددہ کے قابل ہے اور اس کے کئی مرتبے ہیں جو ایک دوسرے سے قوت اور صنعت کے مدارج میں اختلاف رکھتے ہیں۔ واجب الوجود سے لے کر ہیولی تک حقیقت واحد ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اول الذکر وجود کا پہلا خالص اور قوی ترین مرتبہ ہے اور دوسرا آخری اور ضعیف ترین۔' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، پاکستان، جلد 12، ص 81-82)

ملا صدرا کے فلسفیانہ افکار کی تشریح و اشاعت میں جن کا حصہ نمایاں ہے ان میں ایک اہم نام ملا ہادی سبزواری کا ہے۔ یہ 1212ھ/1797/98ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی مہدی تھا۔ ابتدائی تعلیم سبزوار (ایران) میں ملا حسین سے حاصل کی۔ اور جب انکی عمر صرف بارہ برس تھی وہ ایک رسالے کے مصنف بن چکے تھے۔ پانچ سال انہوں نے اپنے استاد کے ساتھ مشہد میں مطالعہ اور زاویہ نشینی میں گزارے۔ بعد ازاں اصفہان پہنچے اور ملا صدرا کے شاگرد داماد ملا علی نوری سے سات برس تک اخذ و استفادے کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر میں سبزوار میں سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ دن میں دو مرتبہ درس دیتے تھے۔ اور ان کے درس میں شاگردوں کا نجوم رہتا تھا۔ 1295ھ/1875ء میں دوران درس ہی ہادی سبزواری کا اچانک انتقال ہو گیا۔ ان کی قبر مشہد میں ہے جس پر ایک مقبرہ بھی بنا ہوا ہے۔

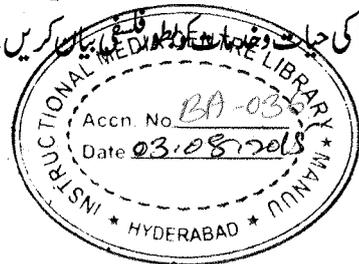
ملا ہادی سبزواری کی شہرت ملا صدرا کے فلسفیانہ افکار کے شارح کی ہے۔ ان کی تشریحات کے مطابق یہ دنیا خدا ہی کا صدور، ظہور یا امتداد ہے۔ دنیا ایک آئینہ ہے جس میں خدا اپنا عکس دیکھتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی صفات اپنی فعالیت کا انکشاف کرتی رہتی ہیں۔ یہ ایک درخشندہ کرن ہے جو سرچشمہ نور سے صادر ہوئی ہے۔ یہ صدور جتنا زیادہ اپنے سرچشمے سے دور ہوتے جاتے ہیں ان میں کثافت اور بکدر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مادی دنیا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ملا ہادی سبزواری بنیادی طور پر ایک فلسفی اور شاعر تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فلسفیانہ افکار کے بیان میں ایک کتاب 'السرار الحکمة' لکھی ہے۔ شاعری میں سبزواری کا تخلص اسرار تھا اور اسی عنوان سے انہوں نے اپنا مجموعہ کلام بھی شائع کیا۔

معلومات کی جانچ

- 1 فلسفے کے اشرافی کتب فکر کا بانی کون ہے؟
- 2 کس مسلم فلسفی کو فلسفہ عمرانیات کا بانی باور کیا جاتا ہے؟
- 3 درس نظامی کی مشہور کتاب 'شمس بازغہ' کس ہندوستانی فلسفی کی تصنیف ہے؟
- 4 ملا صدرا کا پورا نام لکھیں۔

11.13 نمونے کے امتحانی سوالات

- 1 فیلسوف العرب الکندی پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
- 2 علوم عقلی کی تحصیل کے لئے فارابی کی شرطوں کو بیان کرتے ہوئے اس کی زندگی پر ایک مضمون لکھیں۔
- 3 ابن سینا کی حیات و خدمات کے خطوط لکھیے۔



- 4 شیخ الاثرق کی انفرادیت کے حوالے سے ان پر ایک مضمون لکھیں۔
- 5 ابن خلدون ایک نئے فلسفہ تمدن کا بانی ہے۔ بحث کریں۔
- 6 ملا صدرا کا تعارف بطور فلسفی کے کرائیں۔

11.14 سفارش کردہ کتابیں

- | | | |
|---|--------------------------------------------|-----------------------------|
| 1 | ٹن ج دو بوئر/ ڈاکٹر سید عابد حسین: | تاریخ فلسفہ اسلام |
| 2 | ملک کریم بخش: | اسلام اور فلسفہ |
| 3 | مولانا عبدالسلام ندوی: | حکمائے اسلام (جلد اول، دوم) |
| 4 | آیت اللہ شہید مطہری/ ترجمہ سید محمد عسکری: | اسلامی علوم کا تعارف |
| 5 | شبلی نعمانی: | علم الکلام |

☆☆☆